شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا انسانی شخصیت کا تصوّر

چند اہم پہلو

تحریر: عارفین بشیر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف جنوبی ایشیا بلکہ جدید و قدیم اسلامی دنیا کی عظیم دینی وعلمی شخصیات میں سے ایک ہیں۔ بقول جلبانی: ''بلاشبہ وہ اپنے دَور کے امام تھے''۔ انہوں نے مسلمانانِ جنوبی ایشیا کی دینی فکر پر انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کو حقیقی معنوں میں ہندوستان میں جدید اسلامی فکر کا بانی کہا جاسکتا ہے۔ بالفاظ صاحب رودِ کوثر: ''اور اگر کسی کو صحیح معنوں میں امام الہندؒ نئی اسلامی ہندوستان کے خاص مذہبی نظام کا مرتب کہا جاسکتا ہے تو وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ذاتِ بابرکات ہے''۔

بقول اقبال: ''یہ غالباً شاہ ولی اللہ تھے جنہوں نے سب سے پہلے ایک نئی روح کی بیداری محسوس کی''۔ دورِ جدید کے اہم دینی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد نے ان الفاظ میں شاہ صاحب کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے: ''مجددین اسلام کی فہرست میں امام الہند کا نامِ نامی بلاشبہ بہت بلند مقام پر ہے' اور یہ کہنا غلط نہیں کہ وہ دَورِ جدید کے فاتح اور ملت اسلامی کی نشاۃِ ثانیہ کے نقطۂ آغاز کی حیثیت رکھتے ہیں''۔

شاہ صاحب نے متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا جن میں مذہبی' سیاسی' معاشی' عمرانی' اخلاقی' ثقافتی' تاریخی' فلسفیانہ اور نفسیاتی موضوعات شامل ہیں۔ اور بقول

جلبانی ''ہر موضوع پر ان کی originality and creativity کی مہر ثبت ہے''۔
شاہ صاحب کے علمی کارنامے اگرچہ بے شمار ہیں مگر بالفاظ سید مودودیؒ: ''جو کام ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا وہ یہ کہ انہوں نے اسلام کے پورے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش رووں سے بازی لے گئے ہیں''۔

شاہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں اپنے عظیم الشان نظامِ فکر کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ دورِ جدید میں عصری علوم کے حوالے سے ان کے عمرانی نظریات کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے تو ان کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ کو جدید عمرانیات کی ''اُم الکتاب'' قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں جو کارنامے شاہ صاحب نے انجام دیئے اور جن کا خود انہوں نے بطورِ خاص تذکرہ کیا ان میں ''نفوسِ انسانیہ کی استعداد کا علم'' (جدید اصطلاح میں اسے علم النفسیات کہا جا سکتا ہے) بھی شامل ہے۔ اس علم کو بھی انہوں نے اپنی مذکورہ بالا شہرۂ آفاق کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ابھی تک کم ہی اہل علم کی توجہ اس طرف منعطف ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کمی کو اپنی بساط کی حد تک پورا کرنے کے لئے مذکورہ کتاب کے حوالے سے شاہ صاحبؒ کے انسانی شخصیت کے بارے میں بیان کردہ تصورات کے مختلف پہلوؤں کو ذیل میں تحریر کیا جا رہا ہے۔

(ا) انسان اور حیوانات میں فرق

انسان دیگر جانداروں اور حیوانات سے کئی اعتبار سے افضل ہے۔ شاہ صاحب کے خیال میں وہ امور جن میں انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے، بکثرت ہیں، مگر ان کا دارومدار دو انسانی خصوصیات پر ہے: i) قوتِ عقلی ii) قوتِ عملی۔

i) قوتِ عقلی:

اس کی دو شاخیں ہیں۔

(۱) معاشرے میں عقل کا استعمال: اس سے مراد ہے کہ انسان معاشرتی زندگی کی

درستی' معیارِ زندگی کو بلند کرنے اور دیگر بشری انتظامات کے لئے عقل کا استعمال کرتا ہے۔

(ب) علومِ غیبی کے حصول کی استعداد: اس کا فیضان وہبی طور پر بغیر سعی و کوشش کے ہوتا ہے۔ حیوانات اس سے یکسر عاری ہوتے ہیں۔

ii) قوتِ عملی:

اس کے بھی دو پہلو ہیں۔

(ا) آزادی واختیار: حیوانات کے افعال غیر ارادی ہوتے ہیں اور ان میں فطری طور پر ودیعت شدہ ہوتے ہیں۔ جدید اصطلاح میں اسے جبلت (instinct) کہتے ہیں' جبکہ انسان اپنے ارادہ واختیار سے عمل کرتا ہے۔ انسان کا مؤاخذہ اور اس سے جواب طلبی اسی لئے ہے کہ وہ اپنے اعمال کا کاسب ہے۔

(ب) اعلیٰ روحانی مقامات: انسان اپنی عملی قوت کے استعمال سے اعلیٰ روحانی حالات ومقامات حاصل کر لیتا ہے۔ جیسے محبت الٰہی' خدا پر توکل وغیرہ۔

(۲) لطائف انسانی

لطیفہ سے مراد اعضائے انسانی (دماغ' دل' جگر) کی داخلی قوت ہے۔ انسان میں موجود اِن تین اعضائے رئیسہ سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو اس کی نوعی خصوصیات اور فطرت کا تقاضا ہیں۔ ان اعضاء میں سے کسی ایک میں کوئی نقص پیدا ہو جائے تو اس سے داخلی قوت (لطیفہ) کو بھی نقصان پہنچتا ہے جو اس عضو کا خاصہ ہے۔ اس کے نتیجے میں انسانی عقل' جذبات اور خواہشات وغیرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہیں۔ شاہ صاحب نے بنیادی طور پر تین لطائف انسانی کا تذکرہ کیا ہے' یعنی لطیفۂ عقل' لطیفۂ قلب اور لطیفۂ نفس۔

(ا) لطیفۂ عقل: اس سے مراد ادراک کی صلاحیت ہے۔ اس کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اس کی قوت کا انحصار عضو دماغ کی درستی پر ہے۔ اس کے افعال و

خصوصیات میں یقین، شک، تفکر، استدلال، توجیہہ وغیرہ شامل ہیں۔ لطیفۂ عقل کو دیگر دو لطائف پر برتری حاصل ہے کیونکہ اس کی تہذیب (purification) قلب و نفس کی درستی کا سبب بنتی ہے۔

(ب) لطیفۂ قلب: یہ انسان کی اس صلاحیت کا نام ہے جس کی بدولت انسان کسی سے محبت یا بغض رکھتا ہے یا کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اس عضو کی خرابی یا درستی لطیفۂ قلب پر منفی اور مثبت اثرات ڈالتی ہے۔ اس کی صفات و افعال میں غصہ، وفاداری، دلیری، بزدلی، خوشی، ناخوشی، محبت، عداوت، جود، بخل، رجاء اور خوف وغیرہ شامل ہیں۔

(ج) لطیفۂ نفس: لذائذ (کھانے پینے) اور جنسی خواہش لطیفۂ نفس کی بدولت ہے۔ اس کا تعلق جگر کے ساتھ ہے۔ اس کی صفات و افعال لذیذ سے لذیذ تر کھانے اور اشیاء کی خواہش اور عورتوں کی محبت وغیرہ ہیں۔

(۳) تہذیب لطائف

شاہ صاحبؒ کے خیال میں انسانی شخصیت کی نشوونما کے لئے لطائف ثلاثہ کی تہذیب ناگزیر ہے۔ لطائف ثلاثہ کی تہذیب و تزکیہ کے لئے کئی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ جیسے عبادات، اذکار وغیرہ۔ جب کوئی فرد اِن طریقوں کو مستقل بنیادوں پر اختیار کرتا ہے تو اس کے لطائف میں مثبت تغیر پیدا ہوتا ہے۔ جیسے ایک خشک درخت کو مسلسل پانی دیں تو وہ تازہ ہو کر پھل، پھول دینے لگتا ہے۔ انسان میں پیدا ہونے والی یہ تبدیلی بعض اوقات عارضی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس کو ''حال'' کہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ تبدیلی مستقل اور پائیدار ہو تو اسے ''مقام'' کہا جاتا ہے۔

لطیفۂ عقل میں تہذیب و تزکیہ کی بدولت کئی عارضی اور مستقل تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ عقل کا کام چونکہ اسباب کی تلاش ہے، چنانچہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں تہذیب کے بعد ''یقین'' پیدا ہو جائے۔ لطیفۂ عقل میں نمودار ہونے والی تمام تبدیلیوں کی اصل

یہی ''یقین'' ہے۔ لازم ہے کہ وہ تمام امور جن کا ذکر شریعت میں ہے' سب پر فرد کا ایمان ہو۔ یہ ایمان اتنا پختہ ہو کہ عقل میں کسی قسم کا شک و تردد موجود نہ رہے۔ لطیفۂ قلب اور لطیفۂ نفس کی تہذیب بھی لطیفۂ عقل پر موقوف ہے۔ چنانچہ لطیفۂ عقل میں جس قدر نورِ ایمان و یقین پیدا ہوگا اسی قدر دوسرے لطائف کا تزکیہ ہوگا۔

(۴) مَلکی اور بہیمی قوّت

حضرت شاہ صاحبؒ نے لطائفِ ثلاثہ کے علاوہ انسان میں کارفرما دو مزید قوّتوں کو بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک کو انہوں نے قوّتِ مَلکی (خیر و نیکی کی قوّت) جبکہ دُوسری کو قوّتِ بہیمی (خواہشات اور جذبات پر مشتمل قوّت) کا نام دیا ہے۔ دونوں قوّتوں کے دو دو درجات ہیں' ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ۔

(ا) اعلیٰ مَلکی قوّت: یہ قوّت ایسے لوگوں میں ہوتی ہے جن کو ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں سے خاص مناسبت ہو۔ ایسے افراد ملائکہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور عالَم جبروت کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا خوب ادراک رکھتے ہیں اور مستقبل میں جو نیا نظام قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اُس کو پوری طرح سمجھ کر اُس کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا ایسے لوگ علمی اور عملی طور پر خیر کی اعلیٰ صلاحیتوں سے سرشار ہوتے ہیں۔

(ب) شدید بہیمی قوّت: بہیمیت سے مراد حیوانی صلاحیتوں کی موجودگی ہے۔ جب بہیمی قوّت شدید ہو تو انسان میں شہوانی جذبات کی تیزی' غصہ اور تکبر جیسی صفات پوری قوّت سے اپنا اظہار کرنے لگتی ہیں۔ ایسے افراد میں قوّتِ ارادی بھی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے اس کو ایک مست اونٹ کی مثال سے واضح کیا ہے جو پیدائشی طور پر قوی ہو' اسے خوب غذا ملی ہو۔ چنانچہ وہ خوب تناور' مضبوط' بلند آواز اور سخت گیر ہو' غصہ' کینہ اور شہوانی قوّت شدت کے ساتھ ہو اور وہ ہر بات میں دوسرے پر غلبہ چاہتا ہو۔

(ج) ادنیٰ مَلکی قوّت :اس درجے کی مَلکیت کے حامل افراد کی مناسبت ادنیٰ درجے کے فرشتوں سے ہوتی ہے' جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی مکمل معرفت تو نہیں رکھتے مگر ان میں نورانیت موجود ہوتی ہے' اور بہیمی نجاستوں اور آلودگی سے پاک ہوتے ہیں۔ ایسی مَلکی قوّت کے حامل انسان ملاء اسفل کے فرشتوں کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں' یعنی ان میں اعلیٰ علمی صلاحیتیں تو نہیں ہوتیں' چنانچہ وہ کوئی نیا نظام نہیں سوچ سکتے' مگر اعلیٰ مَلکی قوّت کے حامل افراد کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ خیر کے کاموں میں بھرپور حصّہ لیتے ہیں۔

(د) ضعیف بہیمی قوت: ادنیٰ درجے کی بہیمی قوّت کی بدولت حیوانی خصوصیات کمزور اور کمتر درجے کی ہوتی ہیں' جیسے خصی' ناقص الاعضاء جانور جو خشک سالی اور ناموافق حالات میں پرورش پائے' جسم لاغر' آواز باریک' حملہ کرنے میں مریل' کمزور اور بے ہمت ہو' دوسروں پر غلبہ اور فتح پانے کا خیال بھی اسے نہیں آتا۔ جس فرد میں بہیمی قوت کمزور ہو اس میں غصہ' شہوت' قوّتِ ارادی' غرور' احساس برتری اور اپنے آپ کو منوانے کی خواہش وغیرہ کمزور درجے کی ہوتی ہے۔

(۵) اصول کشمکش (مزاحمت و مصالحت)

اصولِ کشمکش یعنی مزاحمت و مصالحت کا اصول شاہ صاحب کے تصور شخصیت انسانی کا اہم نکتہ ہے۔ بالخصوص شخصیت کی اقسام کے بیان میں اس کو مرکزی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

مَلکی اور بہیمی قوتوں اور لطائف ثلاثہ میں کبھی مزاحمت ہوتی ہے اور کبھی باہم مصالحت۔ مزاحمت کے لئے شاہ صاحب نے ''تجاذب'' اور مصالحت کے لئے ''اصطلاح'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مزاحمت کے دوران کوئی ایک قوّت اور لطیفہ غلبے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اسے غلبہ حاصل ہو جائے تو انسانی شخصیت اسی کے مطابق ڈھل جاتی ہے اور اسی کے موافق افعال و اعمال صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر مَلکی قوّت

غالب آ جائے تو فرد کی توجہ اللہ کی طرف ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ نیک اعمال کی کوشش کر کے سعادت کے اعلیٰ مراتب کے حصول میں لگا رہتا ہے' جبکہ بہیمی قوّت کے غلبے کی صورت میں معاملہ یکسر مختلف' بلکہ برعکس ہو جاتا ہے۔ مصالحت کی بدولت دونوں قوّتیں اور لطائف ثلاثہ اپنی خصوصیات کو کسی قدر ترک کر کے باہم تعاون کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قوّتِ مَلکی مصالحت کی صورت میں اپنی پاکیزگی اور توجہ الی اللہ میں بقدرِ ضرورت کمی' جبکہ قوّت بہیمی شہوت رانی اور غضب میں قدرے کمی کر کے کسی ایک مقام پر باہم تعاون کرتی ہیں۔ ان میں تناؤ اور کشمکش کی کیفیت نہیں رہتی۔

(۶) سعادت (کمال)

سعادت سے مراد ایسے اعلیٰ اوصاف کا حصول ہے جو صرف انسان کا خاصّہ ہیں۔ جیسے مہذب اَخلاق' عمدہ تدابیر وغیرہ۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ اکثر لوگ انہی اوصاف کو کمال اور سعادت تصور کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے حقیقی سعادت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''سعادت یہی ہے کہ بہیمی حالت نفس ناطقہ (روحِ الٰہی) کے تابع ہو' خواہش عقل کے ماتحت ہو اور اِس پر عقل کی حکومت ہو''۔

اصولِ کشمکش کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب مَلکی قوّت بہیمیت پر غالب آ جائے اور لطیفۂ نفس عقل اور قلب کے زیردست ہو جائے تو انسان میں ایسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں سعادت اور کمال کا نام دیا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحب نے سعادت کی دو بنیادی اقسام یا درجات بیان کئے ہیں:

(ا) مَلکی قوّت ناقص حالت میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں مطلوبہ خصوصیات کامل طور پر موجود نہیں ہوتیں۔ ایسے شخص کو اپنی حالت کی تکمیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ب) سعادت کا دوسرا درجہ یا قسم وہ ہے جس میں بہیمیت مکمل طور پر مَلکیت کے تابع ہو جاتی ہے' وہ اسی کے مطابق عمل کرتی ہے' بلکہ اس کے رنگ میں ڈھل جاتی ہے' جبکہ

مَلکیت بہیمیت کے معمولی اثرات کو بھی قبول نہیں کرتی۔ ایسے افراد سب سے افضل اور اعلیٰ ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ پیدائشی خصوصیات ہوتی ہیں، علاوہ ازیں محنت و کوشش سے بھی یہ حالت ممکن الحصول ہے، مگر اس کے لئے عبادت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سعادت کے مطلوبہ اوصاف

اس ضمن میں شاہ صاحب نے چار اوصاف بیان کئے ہیں۔ ان کے خیال میں اِن اوصاف کو ملائکہ سے ہم رنگی ہے۔ ان اوصاف کی بدولت انسان اس اعلیٰ ترین جماعت (ملائکہ کی جماعت) سے ملحق و منسلک ہو جاتا ہے۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد انہی امور کی طرف لوگوں کو دعوت دینا تھا۔ تمام شرعی امور انہی کی تفصیل و تبیین ہیں۔ سب احکامِ شرعیہ کا مدعا اِن اوصاف کا حصول ہے۔ یہ اوصاف درج ذیل ہیں:

(ا) طہارت اور پاکیزہ زندگی: ذکی الطبع اور سلیم الفطرت انسان ظاہری و باطنی طہارت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یہ وصف فرد میں اپنی دیگر صلاحیتوں اور قوتوں کو منتہائے کمال تک پہنچانے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ جب طہارت کا وصف خوب راسخ ہو جاتا ہے تو فرد میں فرشتوں کے الہامات قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس حدث (ظاہری و باطنی ناپاکی) میں گھر جانے کی بدولت وساوس شیطانی کو قبول کرنے کی استعداد پروان چڑھتی ہے، نورانیت زائل ہو جاتی ہے، ظلمت چھا جاتی ہے، گویا روحانیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے

(ب) خدا کے حضور عاجزی و نیازمندی: اس سے مراد یہ ہے کہ فرد اللہ کے آگے خوب عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ یہ حالت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اس کے سامنے آیاتِ کریمہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس پر اللہ کی قدرتیں اور نشانیاں واضح ہوتی ہیں۔ وہ اِن پر خوب غور کرتا ہے تو اُس کی روح (نفس ناطقہ) میں بیداری پیدا ہو جاتی ہے، جس کی بدولت وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عاجزی کے ساتھ

جھک جاتا ہے۔ اس حالت اخبات (عاجزی) کے سبب کمالاتِ علمیہ ظاہر ہوتے ہیں یعنی اللہ کی معرفت بتدریج نقش ہوتی جاتی ہے۔ نتیجتاً اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے' ایسے حالات وارد ہوتے ہیں کہ بقولِ شاہ صاحب' اُن کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔

(ج) سماحت: اس کے لفظی معنی فیاضی وسخاوت' نرمی و اطاعت کے ہیں' اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس بہیمی خواہشات کی اطاعت نہ کرے' افعال و اعمال بہیمیہ کا کوئی پائیدار نقش اس پر نہ جم سکے' اس کا کوئی رنگ اس پر نہ چڑھے۔ اس قوت کی موجودگی میں فرد تمام امورِ معاش میں مصروف ہوتا ہے' مگر اُن کا اثر اِس پر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نفس میں سماحت نہ ہو تو اِن امور کے اثرات قلب پر ثبت ہو جاتے ہیں۔ سماحت کی صفت علمی و عملی کمالات کے خلاف کسی امر کے اثرات کے جمنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ سماحت کے مقابلے میں حرص ہے۔ سماحت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر مختلف حالت کے اعتبار سے اس کا نام مختلف ہے۔ چنانچہ سماحت اگر مال میں ہو تو سخاوت' کھانے پینے اور جنسی خواہش میں ہو تو عفت' مصائب ومشکلات میں ہو تو صبر کہلاتی ہے جبکہ درج بالا خصوصیات کے متضاد خصائل حرص' شہوت پرستی اور بے قراری ہیں۔

(د) عدالت: اس ملکۂ راسخہ کو کہتے ہیں جس کی بدولت فرد بے تکلفانہ ایسے اعمال کرتا ہے جن سے نظامِ تمدن کو استحکام وثبات حاصل ہوتا ہے۔ ملکۂ راسخہ اس حالت کو کہتے ہیں جب افعال و اعمال سہولت سے صادر ہوں' ایسے معلوم ہو جیسے یہ آدمی ایسا کرنے پر فطرتاً مجبور ہے۔

سماحت وعدالت کی صفات میں باہم بُعد ومخالفت ہے' کیونکہ سماحت میں رجحان تجرد اور تنہائی کی طرف مائل ہے' جبکہ عدالت میں رأفت ومحبت اور دنیاوی مشاغل کی طرف ہوتا ہے' لیکن دونوں ہی صفات کی موجودگی ضروری ہے۔

(۷) حصول سعادت کی تدابیر

شاہ صاحب نے ان تدابیر یا طریقوں کو دو بڑے اجزاء میں تقسیم کیا ہے۔

i) علمی تدابیر ii) عملی تدابیر

i) علمی تدابیر:

شاہ صاحب کے خیال میں انسانی طبیعت اور مزاج علمی قوتوں کے تابع و مطیع ہوتا ہے۔ انسانی باطن ایسے علوم و معارف سے بھر جائے جو اُس کی فطرت کے مناسب حال ہیں' تو اُن کا اثر اُس کی شخصیت پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

علمی تدابیر کے ضمن میں شاہ ولی اللہؒ نے غور و فکر پر زور دیا ہے۔ اس تفکر کے دو بڑے ذرائع انہوں نے بیان کئے ہیں۔

(ا) عمومی تفکر و تذکر: شاہ صاحب کے خیال میں درج بالا چار صفات پیدا کرنے میں فکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات' اس کی مخلوقات' قوموں کے عروج و زوال' کائنات' موت اور اس کے بعد آنے والے حالات پر غور و فکر کرنا انتہائی مفید ہے۔

(ب) تفکر و تذکر بذریعہ قرآن مجید: اس ضمن میں شاہ صاحب نے تلاوتِ آیات کی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن حکیم میں غور و فکر کی اہمیت کے پیش نظر شارع علیہ السلام نے قرآن حکیم کو یاد کرنے' اس میں مشغول رہنے' ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے' پڑھتے ہوئے گریہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

شاہ صاحب نے پانچ علومِ قرآن کو بھی بیان کیا ہے جو قرآن حکیم کے ذریعے غور و فکر میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

☆ تذکر بایام اللہ ☆ تذکر بآ لا اللہ ☆ تذکر بالموت و مابعد الموت ☆ تذکر بالاحکام ☆ تذکر بالآیات المخاصمات بالکفار

قرآن حکیم کی مسلسل تلاوت اور آیات میں تدبر سے قوّتِ بہیمی' قوّتِ مَلکی سے مغلوب ہو جاتی ہے اور چار مطلوبہ اوصاف تدریجاً نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

ii)عملی تدابیر:

اس سے مراد ایسے اعمال اختیار کرنا ہے جس سے نفس میں مطلوبہ اوصاف پیدا ہوں۔ایسے اعمال کو بار بار کرنے سے مطلوبہ اوصاف کی یاد دل میں تازہ رہتی ہے' جس سے مذکورہ اوصاف کواختیار کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔

کوئی خاص عمل مطلوبہ صفت کے حصول کا سبب کیسے بنتا ہے'اس کی دو وجوہات ہیں:

(ا) اعمال اور مطلوبہ اوصاف میں عادتاً تلازم (Association) ہوتا ہے' چنانچہ اس عمل کا لازمی نتیجہ مطلوبہ صفت ہوتی ہے۔

(ب) اعمال اور مطلوبہ صفت میں کوئی فطری مناسبت ہوتی ہے جس سے ان اوصاف کے پیدا ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے۔

شاہ صاحب نے تین عملی تدابیر بیان کی ہیں:

i) اذکار: اس میں تسبیحات' استغفار' شکر اور استعاذہ وغیرہ شامل ہیں۔

ii) عبادات: نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ وغیرہ

iii) ریاضت: اس میں شاہ صاحب نے اعتکاف' روزہ' شب بیداری وغیرہ پر زور دیا ہے۔

(۸) حصول اوصاف کی راہ میں رکاوٹیں

اعلیٰ اوصاف کی راہ میں رکاوٹوں کے لئے شاہ صاحب نے ''حجاب'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔انہوں نے تین قسم کے حجابات کو بیان کیا ہے:

(ا) طبیعت کا حجاب (ب) رسم کا حجاب (ج) نافہمی کا حجاب

(ا) طبیعت کا حجاب: اس کو حجابِ نفس بھی کہا جاتا ہے۔انسانی سرشت میں بھوک اور جنسی خواہش کا جذبہ پیدائشی طور پر موجود ہوتا ہے۔اس طرح اس پر خوشی وغم' غیظ و غضب' خوف و اندیشہ کے ان گنت حالات گزرتے ہیں۔ ہر حالت اس کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ان کے اثرات نفس پر پڑتے رہتے ہیں۔اگر کوئی شخص ان حالتوں اور

طبعی خواہشات میں پھنس کر رہ جائے تو یہ حالت سعادت کے حصول میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

(ب) رسم کا حجاب :اس کا دوسرا نام حجابِ دنیا ہے۔ ہر معاشرے کے اپنے طور طریقے' رسومات وغیرہ ہوتی ہیں۔شعور کی آنکھ کھلتے ہی ہر فرد کو ان سے پالا پڑتا ہے۔ فرد عموماً ان طور طریقوں کی پیروی کرنے لگتا ہے۔بعض افراد ان میں حد سے زیادہ مستغرق ہو جاتے ہیں اور موت تک ان کو ان رسومات کی مشغولیت سے فرصت نہیں ملتی۔ یہ حالت اعلیٰ اوصاف کے حصول میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے۔

(ج) نافہمی کا حجاب: جب فرد کا فہم درست ہوتا ہے تو وہ دلائل کی بدولت جان لیتا ہے کہ اللہ اس کا پروردگار اور منعم ہے۔ چنانچہ وہ اس سے اپنی حاجتیں طلب کرتا ہے اور اس کے قرب کا طلب گار رہتا ہے' مگر نافہمی کے حجاب کی بدولت صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے۔اس کے دو پہلو شاہ صاحب نے بیان کئے ہیں۔

i) خالق میں مخلوق کی صفات کا اعتقاد کرنا

ii) مخلوق میں اللہ کی صفات کو ثابت کرنا

پہلی حالت کو ''تشبیہہ'' جبکہ دوسری کو ''شرک'' کہتے ہیں۔

مراجع و مصادر

۱۔مولانا عبیداللہ سندھی' اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ' بیت الحکمت' لاہور ۱۹۵۰ء

۲۔مولانا عبدالحق حقانی' ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ' دارالاشاعت کراچی

۳۔مولانا عبدالرحیم' ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ (حصہ اوّل) قومی کتب خانہ لاہور' ۱۹۸۳ء

۴۔جی این جلبانی The Teachings of Shah Waliullah dehlvi شیخ محمد اشرف' لاہور' ۱۹۷۹ء

۵۔ڈاکٹر اسرار احمد' امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ حکمت قرآن ۱۹۹۱ء مرکزی' انجمن خدام القرآن لاہور

۶۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 'تجدید و احیائے دین' اسلامک پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۸۲ء

۷۔شیخ محمد اکرام' رود کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور' ۱۹۸۸ء

۸۔علامہ محمد اقبال' تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلام' بزمِ اقبال' کلب روڈ لاہور' ۱۹۸۳ء

۹۔حفیظ ملک' Muslim Nationalism in India and Pakistan' پبلک افیئرز پریس امریکہ' ۱۹۶۳ء